سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ اور التحیات للّٰہ کا عظیم مفہوم اور عرفان

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / جولائی ۱۹۹۱ء بمقام اسلام آباد یو کے)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

کچھ عرصہ سے نماز سے متعلق خطبات کا سلسلہ جاری ہے اور یہ سلسلہ اس غرض سے شروع ہوا تھا کہ وہ احباب جماعت جو نماز سے محبت تو رکھتے ہیں لیکن استفادے کی طاقت نہیں رکھتے ان کی مدد کی جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ پانچ وقت نماز سے کس طرح زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور کس طرح نماز سے محبت میں مزا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حقیقی محبت وہی ہے جس میں مزا ہو ورنہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقیدے کی محبت ہوا کرتی ہے۔ اس محبت کے نتیجہ میں انسان اپنے آپ کو بعض اعمال پر مجبور کر لیتا ہے لیکن ان اعمال میں لذت حقیقی محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عرصہ تک سورہ فاتحہ کے مضامین پر خطبات ہوتے رہے۔ اب میں بقیہ نماز سے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

پہلی قابل توجہ بات تو یہ ہے کہ حرکت کے وقت ہمیں سکھایا گیا ہے کہ اللہ اکبر کا اقرار کریں۔ سوائے دو حرکات کے یعنی رکوع سے اٹھتے وقت اور سلام پھیرتے وقت۔ ان کا جب موقعہ آئے گا تو ان پر وہاں گفتگو ہوگی۔ اللہ اکبر حرکت کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے۔ دراصل انسان زندگی میں ذہنی اور جسمانی جتنی بھی حرکات ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف کرتا ہے، اس کے ہمیشہ دو محرکات ہوا کرتے ہیں۔ ایک خوف اور ایک

حرص۔خوف کے نتیجے میں انسان ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ سوتے میں جب آپ کروٹ بدلتے ہیں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کیونکہ جس پہلو پر آپ لیٹے رہتے ہیں کچھ عرصے کے بعد وہاں تکلیف شروع ہو جاتی ہے اور تکلیف سے بھاگنے کے لئے آپ حرکت کرتے ہیں۔وہ لوگ جن کو انتہائی پرسکون نیند آتی ہے وہ ایک ہی کروٹ پر پڑے رہتے ہیں کیونکہ نیند کے غلبے کی وجہ سے ان کو یہ احساس نہیں رہتا کہ ایک پہلو پر لیٹے لیٹے ان کو تکلیف شروع ہو چکی ہے۔

بہر حال انسان کی زندگی کے جس پہلو پر خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ،آپ غور کر کے دیکھیں آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ جب آپ جگہ بدلتے ہیں یا حالت بدلتے ہیں تو ہمیشہ یا خوف اور تکلیف سے بچنے کے لئے یا کسی خواہش اور تمنا کو پورا کرنے کے لئے **اللہ اکبر** کا اعلان ہر حرکت کے وقت آپ کو یہ بتاتا ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے۔اس سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جا سکتے اور اگر تم نے کسی حالت سے کسی اور حالت کی طرف منتقل ہونا ہے تو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف منتقل ہونا چاہئے۔جو چھوٹا ہے اس سے بڑے کی طرف جانا چاہئے اور زندگی کی ہر حرکت اس غرض سے ہو کہ تم اس ذات کے قریب تر ہوتے چلے جاؤ جو اکبر ہے۔یہ بہت ہی گہرا اور وسیع مضمون ہے۔اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اشارہ کافی ہے۔اس مضمون پر جب نماز پڑھنے والا غور کرے گا تو اس کے لئے اور بھی مضامین کی کھڑکیاں کھلتی چلی جائیں گی اور نماز کی باہر کی حالت بھی عبادت بنتی چلی جائے گی کیونکہ **اللہ اکبر** کا پیغام نمازی کے لئے صرف نماز کی حالت میں پیغام نہیں بلکہ ساری زندگی کا پیغام ہے اور حرکت وسکون کا تمام فلسفہ اس میں بیان ہو گیا ہے۔

پس نماز کی حالت میں اس پہلو سے اس مضمون پر غور کرنے کے نتیجے میں زندگی کے دیگر مسائل بھی خدا کے فضل کے ساتھ احسن رنگ میں حل ہوتے چلے جائیں گے۔اس کے بعد رکوع کی حالت ہے اس میں ہم **سبحان ربی العظیم** پڑھتے ہیں۔اکثر لوگ غفلت کی حالت میں یہ پڑھتے ہوئے گزر جاتے ہیں ان کو علم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔اس مضمون پر دو تین پہلو خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں اول یہ کہ عظیم کے کیا معنی ہیں۔عظیم کے معنی بڑا ہے۔کن معنوں میں بڑا؟ اکبر میں بڑائی کے جو معنی ہیں وہ مقابلۃً بڑائی کے معنی ہیں اور اکبر کا مضمون عظیم سے مختلف ہے۔عظیم اپنی ذات میں ایک ہیبت اور ایک جلوہ رکھتا ہے۔ہیبت کا ایسا جلوہ جو قریب سے دکھائی دے۔جب بھی آپ کسی کو عظیم

سمجھتے ہیں اس کو عظیم سمجھنے کے لئے ایک تو دور کا نظارہ ہے وہ کانوں کے ذریعے آپ کو بتایا جاتا ہے یا دور سے آنکھوں کے ذریعے دکھایا جاتا ہے کہ فلاں چیز عظیم ہے لیکن اس کی عظمت کا احساس اس کے قریب آئے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ جب تک آپ کسی پہاڑ کے دامن میں نہ پہنچیں آپ کو یہ علم نہیں ہوسکتا کہ پہاڑ کن معنوں میں عظیم ہے۔ ہمالہ کی باتیں ہم نے بھی سن رکھی تھیں مگر جب ہم ہمالہ کی طرف روانہ ہوئے اور ہمالہ کے دامن میں پہنچے اور بلند و بالا چوٹیوں کا قریب سے مشاہدہ کیا تب ہمیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی عظمت کیا ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو عظیم کہلاتے ہیں دور کے نظارے میں وہ عظیم مانے تو جاتے ہیں لیکن ان کی عظمت کا احساس نہیں ہوا کرتا۔ عظمت کا احساس ہمیشہ قرب سے ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ **حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی عظمت درحقیقت ان لوگوں پر روشن ہوئی جو آپ کے قریب تھے اور وہ جو دور کے زمانوں میں پیدا ہوئے ان پر بھی آپ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے روحانی قرب کا نظام جاری فرمایا گیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی آپ کو قریب سے دیکھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے قرب کی وجہ سے ہمیں بھی قرب نصیب ہوا اور ہم نے بھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی عظمتوں کا قریب سے نظارہ کیا۔** یہی مضمون ہے جس کو سورہ جمعہ میں یوں بیان فرمایا گیا۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:۴) کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو محمد مصطفی ﷺ کی قربت عطا کی جائے گی۔ زمانے کے لحاظ سے وہ دور ہیں لیکن خدا کی تقدیر کے تابع قریب کئے جائیں گے۔ وہ اٰخَرِيْنَ میں پیدا ہونے والے اولین سے ملا دیئے جائیں گے۔

پس یہاں بھی عظمت کا مضمون ہے۔ جب تک کسی کی عظمت اس کے قرب سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس عظمت کے نتیجہ میں عظمت کے احساس کے نتیجے میں انسان کے اندر تبدیلیاں پیدا نہیں ہوا کرتیں۔ پس **سبحان ربی العظیم** کا مضمون سمجھنے کے بعد انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم نے سورہ فاتحہ میں جس خدا کی عظمت کا نظارہ کیا تھا اس خدا کے قریب تر ہو گئے ہیں اور اتنا قریب ہوئے ہیں کہ اس کے حضور جھک گئے اور اس کی اطاعت کو قبول کر لیا ورنہ دور کا خدا اطاعت کروانے کے لئے کافی نہیں۔ خدا کی اطاعت حقیقی معنوں میں تبھی ہوسکتی ہے جب اس کی عظمت کا احساس ہو اور عظمت جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قرب کو چاہتی ہے۔ پس رکوع نے اس مضمون کو مکمل کر دیا۔ یہ اطاعت کی حالت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بھی بیان فرمایا

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ:۴۴) یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاں تم لوگوں کو رکوع کرتے دیکھو تم بھی ساتھ اسی طرح بدن جھکا کر رکوع کرلو۔ مراد یہ ہے کہ جہاں بھی تم خدا کے بندوں کو اطاعت کرتے ہوئے دیکھو تم بھی اسی طرح اطاعت میں ساتھ شامل ہو جایا کرو کیونکہ خدا کی اطاعت کا مضمون زندگی کے ہر شعبہ پر، ہر حال پر حاوی ہے۔

اس پہلو سے جب آپ **سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم** کہتے ہیں تو عظمتوں کا مضمون بھی بدلتا چلا جاتا ہے۔ عظمتیں ہر صورت حال پر مختلف رنگ میں اطلاق پاتی ہیں۔ پہاڑ کی عظمت اور ہے، ایک جانور کی عظمت اور ہے۔ ایک انسان کی عظمت اور ہے اور خدائے **ذوالمجد والعلیٰ** کی عظمت اور ہے۔ وہ خدا جس کی عظمت کو سورہ فاتحہ نے ہمیں سمجھایا اس کی عظمت کو قریب سے دیکھنے کے نتیجہ میں روح بے اختیار رکوع میں جاتی ہے اور جسم کا رکوع اس کے تابع ہوتا ہے، اس سے پہل نہیں کرتا۔ پس جب آپ قیام کے وقت کے مضامین کو خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیں تو اس وقت آپ کے دل پر ایک ایسی کیفیت طاری ہونی چاہئے جس کے نتیجہ میں روح جھکتی ہو اور بدن بھی ساتھ جھکنے کے لئے بے اختیار ہو جائے۔ ایسی حالت کا نام رکوع ہے اور اس کے بعد جب آپ عظمت کے مضمون پر رکوع کی حالت میں غور کریں گے تو تین دفعہ کا یہ اعتراف کہ **سبحان ربی العظیم** آپ کو بہت ہی مختصر سا دکھائی دے گا اس لئے ساری زندگی کے رکوعوں میں آپ کے لئے مختلف سوچوں کا انتظام فرما دیا گیا ہے۔

لفظ ''**العظیم**'' اور **سبحان ربی العظیم** میں ایک ایسا خوبصورت مضمون ہے جو ختم نہ ہونے والا ہے اور ہر انسان اپنی کیفیت کے مطابق، اپنے رب سے اس وقت کے حالات کے مطابق اس کی عظمتوں کے مختلف تصورات سے **سبحان ربی العظیم** میں نئے رنگ بھر سکتا ہے علاوہ ازیں یہ قابل غور بات ہے کہ سورۂ فاتحہ نے تو ایک خدا سے غائبانہ تعارف کروایا اور اس خدا کو آپ نے نصف سورۃ کے بعد مخاطب کرنا شروع کیا لیکن وہ تخاطب جمع کی حالت میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ:۲) تمام کائنات پر حاوی خدا ہے۔ کوئی ایک وجود بھی اس کی ربوبیت سے باہر نہیں ہے اور اس کی حمد کا ترانہ خواہ انسان باشعور ہو، خواہ زندگی کی دوسری شکلیں ہوں، خواہ جمادات ہوں وہ سارے اپنے اپنے رنگ میں ہمیشہ گاتے چلے جاتے ہیں لیکن یہ ایک عام

حالت ہے اس میں ذاتی تعلق کا پیدا ہونا ابھی انتظار چاہتا ہے اس انتظار کی حالت کو خدا نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (البقرہ:۵) کے ذریعہ ختم فرمادیا اور ایک ذاتی تعلق قائم فرمادیا اس رب سے جو سب کا سانجھا رب ہے لیکن یہاں بھی اجتماعی رنگ ہے۔ ہم اے خدا! تیری عبادت کرتے ہیں یا تیری عبادت کرنا چاہتے ہیں یا تیری عبادت کریں گے اور تیری ہی عبادت کریں گے لیکن مدد بھی تجھ سے چاہیں گے لیکن یہاں ابھی تک ایسا تعلق قائم نہیں ہوا کہ آپ یہ کہہ سکیں کہ میرا رب ہے۔ یہ تعلق ایک ادنیٰ قدم تعلق کا ہے **اور یہ تعلق اطاعت کے بغیر قائم نہیں ہوا کرتا۔ زبانی تعریف کے ذریعہ کوئی چیز آپ کی نہیں ہوسکتی۔ جب آپ عمل کی شکل میں اس کا بننے کی کوشش کرتے ہیں تب وہ آپ کی ہوجاتی ہے۔** تو رکوع نے بتایا کہ وہ رب جو آپ سب کا ہے وہ آپ کا بھی تو ہونا چاہئے یعنی آپ کی ذات کا بھی تو ہونا چاہئے اور اگر آپ واقعی سچے دل سے اس کی تعریف کررہے ہیں اور اسی سے دعائیں کررہے ہیں تو اس کو اپنانے کے لئے آپ کو خود ذاتی طور پر اس کے سامنے سر جھکانا ہوگا اور اطاعت کرنی ہوگی۔ جب آپ اطاعت کے ذریعہ اس کے ہوں گے تب آپ کو یہ حق دیا جائے گا کہ یہ اعلان کریں۔ **سبحان ربی العظیم** ۔**سبحان ربی العظیم** پاک ہے میرا رب ، پاک ہے میرا رب۔ پاک ہے میرا رب اور بڑی عظمتوں والا ہے۔ بڑی عظمتوں والا ہے۔ بڑی عظمتوں والا ہے۔ پاک کن معنوں میں ہے آپ کا رب پاک کن معنوں میں ہے۔ عظمتوں والا کن معنوں میں ہے اور آپ کا رب کن معنوں میں عظمتوں والا ہے۔ اس میں آپ کے ساتھ نسبتیں قائم ہوگئیں اور ایک اور مضمون نفس کے تجزیہ اور تزکیہ کا شروع ہوگیا۔ آپ کن باتوں سے پاک ہیں، کن باتوں سے پاک ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر بعض باتوں میں آپ پاک ہیں یعنی اپنی توفیق کے مطابق اور بعض باتوں میں پاک ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو حق ہے کہ کہیں **سبحان ربی** میرا رب پاک ہے تا کہ یہ کہہ کر خدا سے مدد مانگیں۔ اگر آپ میں عظمت کے نشان پائے جاتے ہیں یا سچی عظمت کے خواہاں ہیں اور اس کی طرف حرکت کررہے ہیں تو آپ کو یہ حق ہے کہ کہیں **سبحان ربی العظیم** ہاں میرا رب عظیم ہے۔ اس نے مجھے عظمتیں عطا کی ہیں۔ وہ مجھے عظمتوں کی طرف لیکر روانہ ہوا ہے۔ پس دیکھیں کہ مضمون کو ذرا سا بدل کر دیکھنے سے زاویہ بدلنے سے نئے مضامین کے کیسے جہان آپ کے سامنے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

اس کے بعد پھر وہ حرکت ہے جہاں اللہ اکبر کی بجائے ایک اور مضمون شروع ہوتا ہے وہ سمع اللہ لمن حمدہ اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد کی۔ اگر کہیں استثناء کرنا تھا تو عام انسانی عقل یہ سوچتی ہے کہ یہاں سورہ فاتحہ کا مضمون جو حمد میں کمال درجے کا مضمون ہے جو درجہ کمال کو پہنچا ہوا مضمون ہے۔ جہاں وہ مضمون ختم ہوا تھا اس کے بعد آنا چاہئے تھا۔ سمع اللہ لمن حمدہ اللہ نے اس کی سن لی جس نے اسکی حمد کی لیکن اس کو بعد میں کیوں ٹال دیا گیا یعنی رکوع کے بعد کیوں رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حمد سننے کے لئے صرف زبان کی حمد کافی نہیں۔ زبان کی حمد کو خدا نہیں سنتا جب تک اس حمد کے نتیجہ میں اطاعت کی روح پیدا نہیں ہوتی اور وہ اطاعت اعمال میں نہیں ڈھلتی اس لئے وہ جو خدا کی تعریفوں کے زبانی جمع خرچ کرتے ہیں ان کی حمد گویا خدا نے سنی ان سنی کر دی۔ انسان کی زندگی میں روزمرہ بعض ایسے تجارب ہوتے رہتے ہیں۔ بعض علاقے ہیں جہاں جھوٹی تعریفیں کرنے کی عادتیں ہیں وہ جب آپ سے ملتے ہیں تو ہمیشہ آپ کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسی تعریفیں کرتے ہیں کہ مبالغے کی حد کر دیتے ہیں لیکن اگر آپ خود جھوٹے نہیں ہیں تو آپ کی طبیعت میں بجائے اس سے کہ ان کے لئے محبت پیدا ہو تنفر پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اگر آپ جھوٹے ہیں تو جھوٹی تعریفوں سے ہمیشہ خوش ہو جایا کرتے ہیں لیکن آپ کا صدق آپ کو بتائے گا کہ کس حد تک آپ سچے ہیں کیونکہ سچا انسان کبھی جھوٹی تعریف سے راضی نہیں ہو سکتا اور سنتا ہی نہیں۔ سنی ان سنی کر دیتا ہے بلکہ نفرت کرتا ہے اور گھبراتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جلد یہ ملاقات ختم ہو۔ پس ایسی حمد جو دل سے نہ اٹھے اور جو اپنے اندر گہری سچائی نہ رکھتی ہو وہ خدا نہیں سنتا لیکن جب حمد کے نتیجہ میں اطاعت شروع ہو گئی، جب انسان نے قربانیاں پیش کرنی شروع کر دیں جب اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کر دیں تو حمد سننے کے لائق ہے اور اسی مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں بیان فرمایا کہ کلمہ طیبہ کو، پاک کلمے کو نیک اعمال بلند کرتے ہیں۔ جب تک نیک اعمال اچھے کلمات کے ساتھ شامل نہ ہوں اس وقت تک ان کو رفعت پرواز عطا نہیں کی جاتی اور وہ اوپر پہنچتے ہی نہیں۔ پس وہ ایسی آوازیں ہیں جو عرش سے ورے ورے گر جاتی ہیں اور اپنے مقصود اور مقام تک نہیں پہنچتیں۔ پس رکوع نے ہمیں یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر تم ایسی حمد چاہتے ہو جسے خدا سنے تو پھر اطاعت کرو اور خدا کے حضور جھک جاؤ۔ ایسی صورت میں تمہیں یہ آواز سنائی دے گی کہ اللہ اس حمد

کو قبول فرماتا ہے جو سچی حمد ہے۔ **سمع الله لمن حمده** اب خدا یہ کہتا ہے کہ ہاں میں اس حمد کو سنتا ہوں اس حمد کرنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جو سچے دل سے میری حمد کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جب آپ **ربنا و لك الحمد** کہتے ہیں تو یہ تشکر کی حمد ہے۔ یہ شکرانے کی حمد ہے۔ پہلی حمد جو سورہ فاتحہ کی تھی اس کے قبول ہونے کی خوشخبری رکوع کے بعد آپ کو عطا کی گئی اور اس خوشخبری کے نتیجہ میں اظہار تشکر کے طور پر آپ پھر جھک جاتے ہیں اور کہتے ہیں: **ربنا و لك الحمد حمد اً كثيراً طيباً مباركاً فيه** ایسی حمد جو نہ ختم ہونے والی ہے بہت بڑی وسیع ہے۔ **طيباً** پاک ہے اس میں کوئی نفس کی ملونی شامل نہیں وہ تیری خاطر ہے اپنی خاطر نہیں **مباركاً فيه** اس میں بہت سی برکتیں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حمد میں برکتوں سے کیا مراد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حمد واقعی سچی ہو اس میں سے نئی حمد پھوٹتی رہتی ہے اور وہ ہمیشہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک ایسا محبوب جس کی خوبیاں آپ کے ابتدائی تعارف سے زیادہ گہری ہوں جب آپ اس کے قریب جاتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں تو اس کے اندر مزید حسن پاتے ہیں۔ اس کے اندر مزید گہرائی پاتے ہیں یہاں تک کہ آپ ہر دفعہ جب اس کے حضور اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں تو پہلے سے بڑھ کر محبت لیکر لوٹتے ہیں۔ تھک کر واپس نہیں آتے۔ وہ لوگ جن کے محبوب کھوکھلے ہوں اور سطحی ہوں ان کی محبتیں بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ زیادہ لمبا عرصہ نہیں چلا کرتیں کیونکہ ان کے محبوبوں میں گہرائی نہیں پائی جاتی۔ ان کے حسن میں گہرائی نہیں پائی جاتی اس لئے وہ حمد برکت سے خالی رہتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ مضمون سمجھایا کہ تمہاری سچی حمد وہی ہے جو برکتوں والی حمد ہو جس میں ہمیشہ نشوونما ہوتی رہے جو بڑھتی چلی جائے اور تمہیں نئے سے نئے حمد کے مضمون سوجھتے چلے جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی ایسا وجود نہیں جس کی حمد ان معنوں میں برکتوں والی حمد ہو کہ اس کی برکتیں نہ ختم ہونے والی ہوں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر جتنا آپ غور کریں گے۔ اس کے حال کے احسانات پر جتنا غور کریں گے، مستقبل میں اس سے جو کچھ چاہیں گے، ان سب مضامین کا عرصہ بہت ہی دراز ہے اور بہت ہی وسیع ہے اور حمد جس حصے سے تعلق رکھنے والی بھی ہوگی اگر آپ سچے غور کی عادت ڈالیں اور دل ڈال کر حمد کرنے والے ہوں تو اس حصے میں وہ برکتوں والی حمد ہوگی۔

اس کے بعد پھر اللہ اکبر ہے اور وہاں آپ سجدے میں **سبحان ربی**

الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ کی تکرار کرتے ہیں۔ عظیم اور اعلیٰ میں کیا فرق ہے۔ عظیم تو ساری کائنات پر محیط ہے اور عظیم میں آپ سے دوری نہیں آپ سے قرب کا مضمون ہے۔ قرب ان معنوں میں کہ آپ اس کی عظمت کے قریب آ گئے ہیں۔ قریب سے آپ نے جلوہ دیکھا ہے اور اس جلوے سے مرعوب ہو گئے ہیں لیکن علو کے مضمون میں ایسی بلندی ہے کہ آپ محسوس کرتے ہیں کہ قریب آنے کے باوجود آپ اس کے ہمسر نہیں بن سکتے۔ وہ بہت بلند تر ہے اور جتنا آپ اس کے قریب جاتے ہیں اتنا ہی اس کی بلندی کا احساس بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ مضمون بھی حقیقت میں کوہ ہمالیہ کے قرب سے بھی معلوم ہو جاتا ہے اور بلند عمارتوں کے تعلق میں بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوا ہے کہ آئفل ٹاور اتنا اونچا ہے۔ ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ اتنی اونچی ہے۔ ٹورنٹو کا CN ٹاور اتنا اونچا ہے دور سے دیکھیں تو اونچے تو ہیں مگر کوئی خاص اثر دل پر نہیں پڑتا لیکن جب آپ قریب جاتے ہیں۔ ان کے دامن میں کھڑے ہو جاتے ہیں تب آپ کو ان کی بلندی کا احساس ہوتا ہے لیکن بعض ایسی بلندیاں ہیں۔ وہ آپ کی پہنچ سے بالا ہیں۔ فرعون نے ایک دفعہ یہ کوشش کی اور قرآن کریم نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ایسی بلند عمارت بناؤں جس پر چڑھ کر میں خدا کی بلندی کا خود نظارہ تو کروں کہ اگر خدا ہے تو کتنا اونچا ہے اور کہاں ہے۔ یہ اس کی ذہنی پستی کا معراج ہے لیکن اس نے ہمیں ایک سبق دیا اور وہ سبق یہ دیا کہ علو کا مضمون ایسا ہے جس کی بنیادیں آپ کے پاس نہیں ہیں۔ وہ بلند تر مقام پر ہے۔ جس طرح غالب نے کہا ہے۔

منزل ایک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا (حوالہ۔۔)

پس خدا کی بلندی کیلئے عرش سے پرے کے تصورات کی ضرورت ہے اور اس بلندی تک پہنچنے کیلئے فرعونیت نہیں جو جسمانی بلندی کا تقاضا کرتی ہے بلکہ عبودیت چاہئے جو گرنے اور اپنے نفس کو مٹا دینے کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ انتہائی انکسار کی حالت میں سب سے اعلیٰ ہے اس کے سامنے سب سے زیادہ بلند مضمون سکھایا گیا۔ وہ انسان جو اپنا سر خدا کے حضور زمین سے رگڑ دیتا ہے، اپنی پیشانی زمین پر ٹکا دیتا ہے، ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ بعض دفعہ مغربی دنیا کے لوگ جو ان باتوں کو نہیں سمجھتے جب مسلمانوں کو سجدے کی حالت میں دیکھتے ہیں تو وہ تمسخر اڑاتے ہیں کہتے ہیں کیسے بے

وقوف لوگ ہیں خدا نے اشرف المخلوقات بنایا اور سیدھا چلنے والا جانور بنایا لیکن اب یہ زمین پر ماتھے رگڑ رہے ہیں۔ان بے وقوفوں کو علم نہیں ہے کہ ساری بلندیوں کا راز اس بات میں ہے کہ جو سب سے اعلیٰ ہے اس کے سامنے سب سے زیادہ نیچے ہو جاؤ اس تک پہنچنے کا زینہ سب سے زیادہ نیچے جھکنے سے ملتا ہے۔اوپر بلند ہونے سے نہیں ملا کرتا۔

پس **سبحان ربی الاعلیٰ** اس حالت میں کہتے ہیں جب آپ نے اپنے آپ کو کلیۃً خدا کے سامنے عاجز اور نابود کر دیا، انتہائی ذلتیں قبول کر لیں، کچھ بھی اپنا باقی نہ چھوڑا۔جس خدا نے آپ کو سیدھا چلنے والا بنایا تھا آپ اس کے سامنے اس طرح ہو گئے جس طرح دنیا کا ایک عام کیڑا ہوتا ہے۔جس کو اٹھنا نہیں آتا۔ایسی حالت میں آپ یہ دعا کرتے ہیں **سبحان ربی الاعلیٰ** پاک ہے میرا رب جو بلند تر ہے جو ہر چیز سے بلند تر ہے۔ وہ خدا ہے جو پھر آپ کو علو عطا کرتا ہے اور آپ یہ حق رکھتے ہیں کہ میرا رب اعلیٰ ہے کہہ سکیں اور جب آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا رب سب سے بلند ہے۔ میرا رب اعلیٰ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے اندر بھی وہ علو پیدا ہو گی جو آپ کے رب میں ہے ورنہ وہ آپ کا رب کیسے ہو گیا۔ جو آپ کا ہو اس کی کچھ باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں اس کا کچھ فیض آپ کے وجود میں نظر آنا چاہئے۔

پس ہر وہ شخص جو **ربی العظیم** کی تکرار سے گزرتا ہے اور سچے دل سے گزرتا ہے اس میں عظمتوں کے نشان پیدا ہونے چاہئیں۔ ہر وہ شخص جو بار بار خدا کے حضور انتہائی تضرع کے ساتھ **سبحان ربی الاعلیٰ** کہتا ہے اگر وہ رب واقعی اس کا ہے تو اس کے اندر علو مرتبت کے نشان پیدا ہونے چاہئیں تب وہ خدا کا سفیر بن کر دنیا میں نکل سکتا ہے، تب اس کو دیکھ کر دنیا خدا کی عظمتوں کو محسوس کرتی ہے۔تب اس کو دیکھ کر دنیا خدا کے علو کو محسوس کرتی ہے تبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا حضرت رسول اکرم ﷺ کے عشق میں نثر میں بھی اور نظم میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا کہ تو خدا تو نہیں ہے لیکن خدا نما ایسا ہے کہ کبھی ایسا خدا نما نہیں دیکھا گیا۔ تجھے دیکھا تو خدا کو دیکھ لیا یہ شرک کا جملہ نہیں ہے بلکہ عدم شرک کا جملہ ہے۔اس کی گہرائی کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں بعض دفعہ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ خدا نما اس لئے بنے کہ اپنے وجود کو مٹا دیا۔ **لا الہ** کے مضمون کو اپنی ذات میں مکمل کر دیا یہ نہیں کہا کہ اے خدا! تیرے سوا اور میرے سوا دنیا میں جتنے ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں

اور بالعموم لوگ جب یہ کہتے ہیں کہ **لا الہ الا اللہ** تو درحقیقت یہی اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ اے خدا تیری ذات ہے اور میری ذات ہے باقی سب کچھ نہیں لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی کے ذریعہ یہ مضمون ظاہر فرمایا کہ میں بھی نہیں ہوں۔ سوائے خدا کے کچھ بھی نہیں ہے۔ جب آپ نے اپنی ذات کو مٹا دیا تو اس برتن میں پھر خدا ظاہر ہوا ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہر حرکت میں اور ہر سکون میں اللہ جلوہ گر ہوا۔

پس یہ شرک کا مضمون نہیں ہے بلکہ توحید کامل کا مضمون ہے اور **سبحان ربی الاعلیٰ** ہمیں اس مضمون کی یاد دلاتا ہے کہ اگر تم اعلیٰ ہو اور تم کہتے ہو کہ میرا رب اعلیٰ ہے تو اپنے اندر سے سفلی صفات دور کرو کیونکہ جو سفلی صفات کا بندہ ہے وہ رب اعلیٰ کا بندہ تو نہیں بن سکتا اس لئے ایک دن کے سجدے کی بات نہیں، ساری زندگی کی جدوجہد کا معاملہ ہے۔ کیا ایک دن میں، کیا ایک سال میں کیا دس یا بیس یا سو سال میں بھی انسان ہر قسم کی سفلی صفات سے مبرا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یہ ایک ایسا جاری مضمون ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا لیکن یہ حرکت ہمیشہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف جاری رہے گی اور یہ حرکت تب جاری ہوگی جب آپ کے اندر عجز پیدا ہوگا اور عجز کا ایک نیا مقام آپ کو عطا ہوگا۔ پس ہر سجدے میں آپ کو عجز بڑھانا چاہئے۔ ہر سجدے کے نتیجہ میں آپ کو اپنی بے بضاعتی اور بے بسی کا مزید احساس ہونا چاہئے۔ اس احساس اور خلاء کو خدا کا علو بھرتا چلا جائے گا اور آپ کے اندر سے ایک نیا وجود پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

یہ ہے سجدوں کا مضمون اور اب آپ دیکھیں کہ وہ لوگ جو جہالت سے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی عبادتیں عجیب بور کرنے والی عبادتیں ہیں۔ ایک ہی مضمون، تکرار کرتے چلے جاؤ، ہر روز کم سے کم پانچ دفعہ اس کے حضور حاضر ہو، ہر رکعت میں اس کے سامنے وہی دعائیں کرتے چلے جاؤ۔ اگر آپ کا تصور سرسری اور ظاہری ہے تو یہ خالی برتن ہے۔ ان برتنوں سے آپ یقیناً کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے لیکن برتنوں کو تو بھرا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس رنگ میں برتن عطا کئے ہیں اور بھرنے والے وہ مضامین بخشے ہیں کہ جو ہر دفعہ برتنوں میں نیا مضمون بھرتے ہیں، نیا رنگ بھرتے ہیں، نیا حسن بھرتے ہیں، نئی لذتیں بھرتے ہیں اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہنے والا سلسلہ ہے اور یہ سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا کیونکہ خدا کی عظمتوں کا کامل تصور کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک لامتناہی

ارتقاء کا سلسلہ ہے جو ہمیشہ جاری رہنے والا ہے۔

اس کے بعد ہم التحیات کی طرف آتے ہیں۔التحیات میں ہم خدا کے حضور یہ عرض کرتے ہیں کہ التحیات للہ والصلوٰت والطیبات سب تحفے خدا ہی کے لئے ہیں۔والصلوٰت والطیبات اور سب بدنی عبادتیں بھی خدا ہی کے لئے ہیں اور وہ پاکیزہ چیزیں جو اموال سے یا زندگی کی صلاحیتوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی سب خدا ہی کے لئے اور خدا کے حضور تحفہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ تحفہ کیا ہوا کرتا ہے اور کیسا تحفہ ہے اور کیا روز ایک ہی تحفہ آپ بار بار پیش کرتے چلے جائیں گے۔اس مضمون پر جب آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ نہ ٹیکس ہے، نہ تجارت ہے بلکہ تحفے میں ایک خاص مضمون پایا جاتا ہے جس کو سمجھے بغیر آپ التحیات کا حق ادا نہیں کر سکتے تحفہ میں مضمون یہ پایا جاتا ہے کہ مادے کو روحانی کیفیات میں تبدیل کرنا۔یہ ایک بارٹر سسٹم Barter System ہے جس کا مادیت Materialism سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور Materialism میں جہاں انسانی مجبوریوں کے تحت دل اعلیٰ لذات کی تمنا کرتا ہے وہاں تحفے کا مضمون ضرور داخل ہوجاتا ہے۔پس ڈائیلیکٹیکل میٹریل ازم Dialedtical Materialias ہو یا اور مٹیریلسٹ Materialist فلاسفی ہو جیسا کہ مغربی کیپیٹل ازم Capitalism کی فلاسفی بھی مادیت پسند Materialist ہے ان میں تحفے کا مضمون سچا نہیں ہے اور ایک بے تعلق سی چیز ہے۔اگر انسانی فطرت کی مجبوری نہ ہوتی تو ان دونوں نظاموں سے تحفے کا تصور مٹ جانا چاہئے تھا۔تحفہ یہ ہے کہ Matter جو ایک ٹھوس چیز ہے وہ دے کر اس کے بدلے ایک ایسی کیفیت حاصل کریں جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔جو آپ کے دل کے حالات سے تعلق رکھنے والی کیفیت ہے۔جو آپ کے تصورات کی دنیا سے تعلق رکھنے والی کیفیت ہے اور اگر کامل عقل کے ساتھ،اگر مارکس Marx کی عقل کے ساتھ آپ اس سودے کا معائنہ کریں گے تو آپ کہیں گے یہ پاگل پن ہے،جنون ہے،حد سے زیادہ بے وقوفی ہے۔کسی دوست سے محبت ہے تو اس کے وجود کو حاصل کرو۔اس سے جو کچھ لے سکتے ہو لو لیکن اس کو کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے۔اور ایسے دوست کو جس سے ظاہری طور پر کچھ ملنے کی بھی توقعات نہ ہوں اس کے اوپر اپنے مال نچھاور کرنا،اپنی زندگی کی محنتیں قربان کرنا نہایت درجے کی بیوقوفی ہے۔اس کے بدلہ کیا ملتا ہے؟اس کے بدلے محبت ملتی ہے

جو ایک ایسی کیفیت ہے جس کو کوئی انسان انگلی لگا کر دکھا نہیں سکتا کہ یہ محبت ہے۔ نہ اس کا رنگ ہے نہ اس کا روپ ہے نہ اس کا مزا ہے نہ اس کی خوشبو ہے۔ ایک کیفیت ہے اس کے سوا اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ پس مادی حالت کو روحانی حالت میں تبدیل کرنے کا نام تحفہ ہے جو کسی اور Transaction میں، کسی اور تبادلے میں نہیں ملتا۔ پس آپ نے اب تک خدا تعالیٰ سے جو تعلقات قائم کئے اس کے حضور رکوع کیا، اس کے حضور سجود کئے تو آپ نے قربانیاں تو دیں اور اطاعت بھی کی لیکن کیا یہ ایک مکینیکل سی اطاعت ہے۔ ایسی اطاعت ہے جیسے کسی بادشاہ کی عظمت کو قبول کر کے اس کے خوف سے اطاعت کی جاتی ہے۔ خوف اطاعت کے لئے لازم ہے لیکن کافی نہیں۔ حقیقی اطاعت محبت کی اطاعت ہوا کرتی ہے اور جب آپ **سبحان ربی، سبحان ربی** کہتے ہیں تو یہاں محبت کے تعلق کا اقرار کر لیا گیا ہے ورنہ میرا رب نہیں کہہ سکتے۔ دنیا کا رب ہے ٹھیک ہے کائنات کا رب اور جابر ہے اور طاقتور ہے اس کے سامنے جھکنا ضروری ہو گیا، عقل نے سمجھا دیا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن میرے رب کے مضمون میں تو ایک پیار کا مضمون داخل ہو گیا۔ پس اس کے بعد کچھ تحفے اور تحائف کا سلسلہ بھی تو جاری ہونا چاہئے۔ چنانچہ انسان رب کو اپنا بنا کر پھر بڑی عاجزی سے اس کے حضور یہ عرض کرتا ہے کہ **التَّحِيَاتُ لِلّٰهِ** سب تحائف اللہ کے لئے ہیں۔ **وَالصلوت والطيبات** اور تحائف کیا ہیں؟ بدنی قربانیاں۔ والصلوت اور مالی قربانیاں۔

یہ مضمون ان دو لفظوں سے بیان تو نہیں ہوتا لیکن مجبوراً وقت کی رعایت کے مطابق میں نے خلاصتہً یہ کہہ دیا ہے۔ بدنی قربانیاں انسان محبوب کے لئے دیکھیں کتنی کرتا ہے۔ اس کی خاطر انسان ہر تکلیف اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ادنیٰ درجے میں بھی یہ کیفیتیں روز ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں۔ ایک سردی کا موسم ہے، دروازہ کھلا رہ گیا ہے، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آتا ہے۔ آپ کا کوئی دوست اٹھ کر بند کرنے کے لئے جا رہا ہے، آپ جلدی سے اٹھتے ہیں کہ نہیں تم بیٹھو میں کرتا ہوں۔ کیا مصیبت ہے، کیوں اس کو نہیں کرنے دیتے۔ وہ کام کر رہا ہے۔ ٹھنڈی ہوا سے آپ بھی بچ جائیں گے وہ بھی بچ جائے گا، آپ نے کیوں پہل کی۔ یہ فطرت کی گہری آواز ہے جو آپ کو بتا رہی ہے کہ جب آپ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے بدنی تکلیف اٹھاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں لذت پاتے ہیں۔ دینے کے نتیجہ میں جو لذتیں ہیں وہ مضمون ہمیں تحائف کا مضمون سمجھاتا ہے لینے کے نتیجہ

میں جو لذتیں ہیں وہ ادنیٰ حالتیں ہیں۔ اصل اعلیٰ لذتیں جو دائمی لذتیں ہیں جو لطیف تر لذتیں ہیں وہ ہمیشہ دینے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں۔ آپ اپنے محبوب کو کچھ پیش کریں وہ واپس کر دے تو دیکھیں کیسی تکلیف میں آپ مبتلا ہوں گے اور کچھ دیر کے بعد اگر وہ آپ کو کچھ دیتا ہے تو بعض دفعہ لینے کا مزہ تو ہے لیکن تھوڑا سا دل بجھ جاتا ہے اور انسان کہتا ہے کہ میں اس کو کچھ اور دوں تا کہ دینے کے لحاظ سے میں بالا رہوں۔ حالانکہ یہ دینا ادنیٰ حالت کا دینا ہے لیکن اس میں بھی انسان ایک قسم کی بالائی حالت چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے میں زیادہ دوں اس سے کم لوں۔ میں زیادہ تکلیف اٹھاؤں اس کو کم تکلیف پہنچاؤں یہ جو لذتیں ہیں یہ انسان کے اندر ایک نیا وجود پیدا کرتی ہیں جس کا خدا سے تعلق قائم ہو سکتا ہے کیونکہ خدا مادی نہیں ہے اور انسانی تعلقات میں اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے اسی لئے رکھا ہے۔

میں نے جہاں تک ارتقاء Evolution کا مطالعہ کیا ہے میرے نزدیک Evolution ادنیٰ کیفیت سے اعلیٰ کیفیت کی طرف حرکت کا نام ہے اور یہ جو Evolution میں ہم بدنی تبدیلیاں دیکھتے ہیں یہ ثانوی حیثیت کی تبدیلیاں ہیں۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے اس کے ایک حصہ پر میں نے ماریشس کی ایک تقریب میں روشنی ڈالی تھی مگر بہت مختصر لیکن سر دست میں اس سے گزرتا ہوں کیونکہ اب وقت بھی کم ہو رہا ہے۔ باقی مضمون انشاء اللہ پھر بعد میں بیان ہوگا۔ بہر حال التحیات کے مضمون میں ہم داخل ہوئے ہیں اور چونکہ آج جلسے کا بھی دن ہے اور بہت سے کام کرنے ہیں اس لئے انشاء اللہ حسب توفیق اگلے جمعہ میں یہ بقیہ مضمون بیان ہو جائے گا اور اس جلسے کے آخر پر سورہ فاتحہ کے بعد جو طبعی اور منطقی نتیجہ نکلتا ہے اس کے تعلق میں میں خطاب کروں گا یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (البقرہ:۶،۷) کی دعا اگر قبول ہو جائے تو انعام یافتہ لوگوں میں کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور کیا ظاہری علامتیں ان میں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اسی طرح مغضوب جب انعام یافتہ لوگوں سے ٹکراتے ہیں تو ان سے خدا کیا سلوک کیا کرتا ہے۔ یہ چونکہ بہت ہی وسیع مضمون ہے۔ ایک خطبہ میں یہ بیان ہونے والا نہیں۔ کچھ حصہ میں نے گزشتہ عید میں بیان کیا تھا۔ بقیہ حصہ اگر پورا نہیں تو اس کا ایک حصہ میں انشاء اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ کی آخری تقریر میں بیان کروں گا اور اس کے بعد اب میں نے گھڑی دیکھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے میں آج کے خطاب کو ختم کرتا ہوں۔